اقبال اور تحریکِ پاکستان (۲)

آپ کو یاد ہو گا، میں نے کل اپنی تقریر میں عرض کیا تھا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس میں جو ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء کو بمبئی میں منعقد ہوا تھا، سب سے اہم قرارداد یہ منظور کی گئی تھی کہ نئے آئین کے تحت صوبائی اسمبلیوں کے جو انتخابات ہوں گے ان میں مسلم لیگ حصہ لے گی اور اس غرض کے لیے مسٹر جناح کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اپنی صدارت میں ایک مرکزی الیکشن بورڈ قائم کریں، جس کے ارکان کی تعداد کم از کم پینتیس ہو اور اس مرکزی بورڈ کے تحت، ہر صوبے کے مقامی حالات کو پیشِ نظر رکھ کر وہاں پراونشل بورڈ بھی قائم کئے جائیں۔

۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء کو یہ قرارداد پاس ہوئی تھی اور اس کے سترہ روز بعد یعنی ۲۹ اپریل کو مسٹر جناح لاہور تشریف لائے تا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اس ریزولیوشن کے مطابق پنجاب میں ایک پراونشل الیکشن بورڈ قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس لحاظ سے پنجاب کو ہندوستان بھر میں سب سے خوش نصیب صوبہ کہنا چاہیئے کہ مسٹر جناح نے اپنی عظیم الشان مہم کا آغاز کرنے کے لیے سب سے پہلے اسی انتخابِ ہفت کشور کو پسند فرمایا اور پنجاب کو اس لحاظ سے سب سے بدنصیب صوبہ سمجھنا چاہیئے کہ اس مہم میں سب سے زیادہ ناکامی مسٹر جناح کو اسی جگہ ہوئی۔

میں اپنی کل کی تقریر میں عرض کر چکا ہوں کہ ۱۹ اپریل ۱۹۳۶ء کو سر فضل حسین نے یونینسٹ پارٹی کے دورِ جدید کا باضابطہ افتتاح کر کے اس بات کا اعلان کیا تھا کہ آئندہ نئے آئین کے تحت اس صوبے میں جو انتخاب ہوں گے، وہ یونینسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر لڑے جائیں گے اور میاں احمد یار خاں دولتانہ کو یونینسٹ پارٹی کا چیف سیکرٹری مقرر کیا گیا تھا۔

مسٹر جناح جب ۲۹ اپریل کو لاہور تشریف لائے تو میاں احمد یار خاں دولتانہ کے مکان پر ٹھہرے۔ یہ مکان جیل روڈ پر تاج پیلیس کے متصل واقع ہے۔ ظاہر ہے سر فضل حسین اس وقت پنجاب کے سب سے بڑے اور سب سے ذی اقتدار لیڈر تھے اور بظاہر وہی آئندہ اس صوبے کے وزیر اعظم بننے والے تھے۔ اس لئے

مسٹر جناح نے سب سے پہلے انہی کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ وہ پہلی مئی کو سر فضل حسین سے ان کے مکان پر جا کر ملے۔ یہ وہی مکان ہے جہاں آج سے چند سال پہلے ریڈیو سٹیشن قائم تھا۔ مسٹر جناح کے ساتھ ملک لال دین قیصر مرحوم بھی گئے تھے۔ چنانچہ مسٹر جناح اور سر فضل حسین کی اس ملاقات کی روداد اور تفصیل مجھے قیصر مرحوم ہی نے سنائی تھی۔ ہوا یہ کہ مسٹر جناح یہ چاہتے تھے کہ مسلمان امیدواروں کو لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لینا چاہیئے اور اسمبلی کے اندر اپنے ہم خیال اور ہم عقیدہ لوگوں کے ساتھ تعاون کر کے وزارت مرتب کرنا چاہیئے میاں فضل حسین کا جواب یہ تھا کہ پورے ایوان میں مسلمان صرف اکیاون فی صد ہیں اور جب تک انہیں غیر مسلموں کے کسی قابل اعتماد فریق کا تعاون حاصل نہ ہو، وہ وزارت نہیں بنا سکتے۔ اس لیے انہوں نے اسمبلی میں داخل ہونے سے پہلے ہی چودھری چھوٹو رام کے ساتھ مل کر ایک غیر فرقہ وارانہ اور مخلوط جماعت، یونینسٹ پارٹی، بنالی ہے اور اب اسی پارٹی کے نام پر الیکشن لڑی جائے گی۔

مسٹر جناح ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کی اس بنیادی کمزوری سے واقف تھے کہ پنجاب کے مسلمانوں کو چونکہ ان کی آبادی کے تناسب سے نمائندگی نہیں ملی تھی، اس لیے انہیں لامحالہ کسی غیر مسلم گروہ کے ساتھ مل کر وزارت بنانا پڑے گی۔ چنانچہ انہوں نے میاں صاحب سے یہاں تک کہدیا کہ آپ بے شک اسمبلی کے ایوان میں چودھری چھوٹو رام سے اشتراک اور تعاون کیجئے، لیکن اسمبلی سے باہر کسی مخلوط پارٹی کے نام پر نہیں بلکہ مسلم لیگ کے نام پر الیکشن لڑنی چاہیئے تاکہ اسمبلی کے اندر مسلمانوں کا وجود ایک جداگانہ پارٹی کی حیثیت سے برقرار رہے۔ جب تک طریق انتخاب جداگانہ ہے۔ مسلمانوں کو جداگانہ پارٹی بنائے بغیر چارہ نہیں اور اگر آپ مخلوط پارٹی کے نام پر الیکشن لڑنے کے قائل ہیں تو پھر مخلوط انتخاب کے رائج کئے جانے پر آپ کو کیا اعتراض ہے۔ علاوہ ازیں یونینسٹ پارٹی کی بجائے مسلمان کانگرس میں کیوں شامل نہ ہو جائیں جو یقیناً یونینسٹ پارٹی سے زیادہ ترقی پسند جماعت ہے۔

افسوس ہے کہ مسٹر جناح اور میاں فضل حسین کے اس بحث مباحثے کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل سکا۔ میاں صاحب کا جواب بہر صورت یہی تھا کہ اس بات کا انتظار کرنا کہ اسمبلی کے اندر جا کر کسی ہم خیال جماعت کا تعاون حاصل کیا جائے صرف بے سود ہی نہیں بلکہ سیاسی مصلحتوں کے بھی خلاف ہے۔ لہذا ہم یونینسٹ پارٹی کو توڑ کر مسلم لیگ پارٹی نہیں بنا سکتے۔

آج یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر میاں فضل حسین کی زندگی چند سال اور وفا کرتی اور وہ ۱۹۳۷ء میں پنجاب کے وزیر اعظم بن جاتے، تو واقعات اور حالات کیا صورت اختیار کرتے۔ کانگرس نے ۱۹۳۷ء کی الیکشن جیت کر جب چھ صوبوں میں اپنی وزارتیں مرتب کی تھیں تو اس نے کھلے لفظوں میں مسلمانوں کی جداگانہ قومی ہستی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور صاف اعلان کیا تھا کہ اگر ہندوستان کے مسلمان اس ملک میں زندہ رہنا چاہتے

ہیں تو ان کا فرض ہے کہ اپنی جداگانہ تنظیم کو توڑ کر کانگرس میں جذب ہو جائیں۔ اس نازک گھڑی میں، جب کانگرس نے مسلمانوں کے قومی وجود ہی سے انکار کر دیا تھا۔ بنگال سے مولوی فضل الحق اور پنجاب میں سر سکندر حیات خاں اپنے تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر بھاگے بھاگے لکھنؤ پہنچے اور انہوں نے مسٹر جناح کو اپنا لیڈر تسلیم کر لیا۔ اگر اُس وقت سر سکندر حیات خاں کی بجائے میاں فضل حسین پنجاب کے وزیر اعظم ہوتے تو کیا وہ بھی یہی روش اختیار کرتے ؟ اس سوال کا جواب دینا میرے لیے بہت مشکل ہے۔ اس لیے کہ میاں صاحب کی خدمت میں جو تھوڑا سا نیاز مجھے حاصل تھا۔ اس کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک اس حیثیت سے کہ میاں صاحب میرے والد مرحوم کے دوست تھے اور دوسری حیثیت یہ تھی کہ میاں صاحب کے صاحبزادے نسیم حسین مرحوم سے میرے دوستانہ مراسم تھے۔ اس لیے میں اس بارے میں صرف قیاس سے کام لے سکتا ہوں، یقینی طور پر اس سوال کا جواب دینے کے صرف وہی لوگ اہل ہیں جو سیاسی زندگی میں میاں فضل حسین کے شریک اور سہیم رہ چکے ہیں۔

بہر حال سر فضل حسین کی ملاقات سے مایوس ہو کر، مسٹر جناح علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علامہ مرحوم ان دنوں پریشان تھے۔ ان کی صحت خراب تھی اور وہ بیماری جس نے بعد ازاں مرض الموت کی صورت اختیار کر لی، شروع ہو چکی تھی۔ سال بھر پہلے ان کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا تھا اور دونوں بچوں کی نگہداشت کا بوجھ تنہا اُن پر آپڑا تھا۔ پریکٹس بند ہو جانے کی وجہ سے آمدنی کے ذرائع بھی مسدود ہو گئے تھے۔ جب ان دو عظیم المرتبہ انسانوں کی ملاقات ہوئی تو میرے ایک مرحوم دوست، فضل کریم درانی وہاں موجود تھے۔ درانی صاحب انگریزی کے اچھے انشاپرداز تھے اور ان دنوں ایک ہفتہ وار اخبار truth نکالتے تھے۔ درانی مرحوم نے ایک مرتبہ اُس ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے بڑا دلچسپ نقشہ کھینچا تھا۔ کہنے لگے کہ مسٹر جناح اپنی روایتی جامہ زیبی اور خوش پوشاکی کا ایک دلاویز مرقع بنے ہوئے تشریف لائے۔ انھوں نے اعلیٰ درجے کی ولایتی دکان کا سلا ہوا بیش قیمت سوٹ پہن رکھا تھا اور ؏

چال جیسے کڑی کمان کا تیر

ادھر ڈاکٹر صاحب کی درویشی اور بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ جسم پر سوائے بنیان اور دھوتی کے اور کوئی چیز نہ تھی۔ جب گفتگو شروع ہوئی تو ڈاکٹر صاحب نے امداد کا پورا وعدہ کیا اور ساتھ مسٹر جناح سے یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ اودھ کے تعلقہ داروں یا بمبئی کے کروڑپتی سیٹھوں کی قسم کے لوگ پنجاب میں تلاش کریں گے تو یہ جنس میرے پاس نہیں۔ میں صرف عوام کی مدد کا وعدہ کر سکتا ہوں۔

درانی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ یہ بات سن کر مسٹر جناح کرسی سے دو ایک انچ اوپر اُٹھے اور بڑے جوش سے کہنے لگے کہ مجھے صرف عوام کی مدد درکار ہے۔

مسٹر جناح اس وقت تک میاں احمد یار خاں دولتانہ کے مکان پر مقیم تھے۔ لیکن اس کے بعد وہ نیڈوز ہوٹل میں اُٹھ آئے۔ وجہ غالباً یہ تھی کہ میاں احمد یار خاں دولتانہ یونینسٹ پارٹی کے چیف سیکرٹری تھے اور آپ کے سر فضل حسین سے کھلم کھلا ٹھن جانے کا احتمال پیدا ہو گیا تھا، مسٹر جناح نے ان کے چیف سیکرٹری کے ہاں ٹھہرنا مصلحت کے خلاف سمجھا۔

مجلس اتحاد ملت اور مجلس احرار کے لیڈروں نے بھی مسٹر جناح سے الگ الگ ملاقاتیں کیں۔ احرار مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ میں شریک ہونے کو تیار تھے۔ لیکن اس ضمن میں دو شرطیں انھوں نے پیش کیں۔ ایک شرط یہ تھی کہ کسی قادیانی کو لیگ میں شامل نہ کیا جائے اور دوسری شرط یہ تھی کہ لیگ کا نصب العین درجۂ مستعمرات یعنی (Dominion Status) کی بجائے مکمل آزادی ہونا چاہیئے۔ مسٹر جناح نے جواب میں فرمایا کہ نصب العین کی تبدیلی کا فیصلہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں کیا جائے گا۔ باقی رہی قادیانیوں کی شرکت یا عدم شرکت، اس کے بارے میں مسٹر جناح نے کسی قسم کا وعدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ تاہم مجلس احرار اور مجلس اتحاد ملت کے لیڈروں نے مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ میں شامل ہونے پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔ حالانکہ یہ دونوں جماعتیں آپس میں ایک دوسرے کی حریف اور مخالف تھیں۔

۸ مئی ۱۹۳۶ء کو علامہ اقبال، ملک برکت علی، خلیفہ شجاع الدین، غلام رسول خاں اور پیر تاج الدین کے مشترکہ دستخطوں سے ایک بیان ایسوسی ایٹڈ پریس کی معرفت تمام اخباروں میں شائع ہوا۔ آج اس بیان کو ایک قسم کی تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ یہ پہلی آواز تھی جو مسٹر جناح کی حمایت میں سرزمین پنجاب سے اٹھی اور جس میں آل انڈیا مسلم لیگ کے نئے پروگرام اور مسٹر جناح کے عزائم کی غیر متزلزل اور غیر مشروط تائید کی گئی تھی اور جس میں اعلان کیا گیا تھا کہ حالات بے شک مخالفت میں اور واقعات اگرچہ مایوس کن ہیں لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں پنجاب میں ابھی چند ایسے بے غرض، مخلص، بے ریا، دور اندیش اور ایثار پیشہ لوگ موجود ہیں، جو جناح کا جھنڈا اٹھانے کو تیار ہیں اور جو اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ وہ کبھی اس پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیں گے۔ یہ تاریخی بیان انگریزی میں لکھا گیا تھا اور انگریزی ہی میں شائع ہوا تھا۔ اس لیے میں اصل انگریزی متن کا کچھ حصہ پڑھ کر سناتا ہوں۔

It was to be expected that M. Jinnah's noble and disinterested activities in organising the entire Muslim Community for the coming elections under the Government of India Act 1935, so that the reactionary and retrograde elements which have hitherto been exploiting the name and prestige of the Muslims of India, should cease to dominate public life and the true exponents of Muslim opinion be returned to the legislatures, would create a stir in the quarters concerned.

We are therefore not surprised that certain newspapers should be freely lending their columns to propagate the utterly unfounded and wholly incorrect myth that Mr. Jinnah is meeting with scant support in the Punjab, and that beyond the Ahrars, no other organisation and section of the Muslim Community is with him.

This, we repeat, is an utter distortion of the truth. On the contrary, the confidence of the Muslim Community in his integrity and political acumen is so great that all sections of Muslim opinion in the Punjab are welcoming his scheme of organising the Muslim community for the coming elections and are solidly behind him so as to ensure that a strong, self-respecting, self-reliant and patriotic bloc is returned to the Provincial Assembly, for the purpose of adequately safe-guarding vital Muslim interests and particularly cooperating with all other groups, to the end that public opinion may become a real power.

We fully realise that Mr. Jinnah's schemes is natural sequel of and an inevitable corollary, to separate electorate and we offer him our whole-hearted and unstinted support in the great and heavy work that he has undertaken.

میں یہاں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس بیان کی اشاعت کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ یونینسٹ پارٹی نے لاہور کے متعدد اخباروں کو مالی وظائف دینا شروع کر دیئے تھے۔ اور یہ اخبار یونینسٹ پارٹی کے ہیڈ کوارٹر کا اشارہ پاکر بھڑوں کے چھتے کی طرح مسٹر جناح پر پل پڑے تھے۔ لاہور سے اُن دِنوں مسلمانوں کا انگریزی کا صرف ایک روزنامہ "Eastern Times" نکلتا تھا جو کلیتہً یونینسٹ پارٹی کے پراپیگنڈے کے لیے وقف تھا۔ اس کے علاوہ Civil and Military Gazette کے صفحات پر ایک صاحب Muslim Correspondent کے نام سے ہر ہفتے یونینسٹ پارٹی کی قصیدہ خوانی اور مسٹر جناح کی شان میں گستاخیاں کرنے میں اپنا زورِ قلم صرف کرتے تھے۔

اسمبلی کے انتخابات کے قریب آجانے کی وجہ سے چونکہ سیاسی فضا میں تموج پیدا ہو گیا تھا اور پنجاب کی صوبہ مسلم لیگ عرصے سے ایک نیم مردہ حالت میں پڑی تھی۔ اس لیے لیگ کو ایک زندہ اور فعال جماعت بنانا بے حد ضروری تھا۔ چنانچہ ملک برکت علی، میاں عبدالعزیز، غلام رسول خاں، پیر تاج الدین وغیرہ کی کوشش سے فیصلہ ہوا کہ ۱۲ مئی ۱۹۳۶ء کو میاں عبدالعزیز بیرسٹر ایٹ لا کے مکان پر جو بکی دروازے کے باہر واقع ہے، ایک نمائندہ جلسہ منعقد کیا جائے۔ علامہ اقبال سے عرض کیا گیا کہ اگرچہ اُن کا مزاج ناساز ہے لیکن وہ جلسے میں تشریف لانے کی ضرور تکلیف گوارا فرمائیں کیونکہ ان کی شرکت کے بغیر یہ اجتماع ایک نمائندہ جلسہ نہ بن سکے گا۔ چنانچہ علامہ مرحوم

نے اس درخواست کو شرف قبول بخشا اور ۱۲ مئی کے جلسے میں تشریف لائے، جہاں صوبہ مسلم لیگ کی از سر نو تنظیم کی گئی اور علامہ اقبال نے پنجاب پراونشل مسلم لیگ کا صدر بننا منظور فرمایا، جو ہمارے لیے اور ہمارے کام کے لیے بہت بڑا اعزاز تھا۔

مسٹر جناح ایک ہفتہ لاہور میں ٹھہر کر راولپنڈی تشریف لے گئے اور وہاں چند روز قیام کرنے کے بعد کشمیر چلے گئے۔ سری نگر سے انھوں نے ۲۱ مئی کو مسلم لیگ کے مرکزی الیکشن بورڈ کے ممبروں کے ناموں کا اعلان کر دیا۔ اس بورڈ کے تمام ممبروں کی تعداد چھپن تھی جن میں ہندوستان کے ہر صوبے کے آدمی شامل تھے۔ پنجاب سے گیارہ اصحاب لیے گئے تھے۔ جن کے نام سنیے: علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں، مولانا محمد اسحٰق مانسہروی، سید زین العابدین شاہ گیلانی، میاں عبد العزیز بیرسٹرایٹ لا، مولوی عبد القادر قصوری، راجہ غضنفر علی خاں، شیخ حسام الدین، چوہدری افضل حق، خواجہ غلام حسین ایڈووکیٹ، چوہدری عبد العزیز بیگووال۔

اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو آپ میں سے بہتوں کو یہ گیارہ نام سن کر کچھ حیرت ہوئی ہوگی۔ کیونکہ یہ ایسے لوگوں کا مجموعہ تھا جن کو ہم خیال، ہم مشرب، ہم فکر اور ہم رائے قرار دینا سخت مشکل ہے۔ مولانا ظفر علی خاں، مولانا محمد اسحٰق مانسہروی اور سید زین العابدین شاہ گیلانی، مجلس اتحاد ملت کے نمائندے تھے۔ علامہ اقبال، میاں عبد العزیز اور راجہ غضنفر علی خاں مسلم لیگ کی نمائندگی کرتے تھے۔ شیخ حسام الدین، چوہدری افضل حق، چوہدری عبد العزیز بیگووال اور خواجہ غلام حسین مجلس احرار کے نمائندے تھے اور مولوی عبد القادر قصوری کانگرسی تھے۔

اس طرح گویا چار نشستیں مجلس احرار کو حاصل ہوئیں اور تین نشستیں مجلس احرار ملت کو ملیں۔ اتحاد ملت والے بڑے ذکی الحس تھے۔ انھوں نے دبے لفظوں میں اپنی بے اطمینانی کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ روزنامہ زمیندار مجلس اتحاد ملت کا اخبار تھا اور مولانا ظفر علی خاں، اتحاد ملت کے صدر تھے۔ اس لیے زمیندار میں ایسے مقالے شائع ہونا شروع ہوئے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اتحاد ملت کے راہنما غالباً مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں کام کرنا پسند نہیں کریں گے۔ اسی سلسلے میں علامہ اقبال نے ۲۳ مئی کو مسٹر جناح کو ایک خط میں یہ بھی لکھا:

I do hope that the Punjab parties—specially the Ahrar and the Ittihad-i-Millat—will eventually, after some bickering, join you. A very enthusiastic and active member of the Ittihad told me so a few days ago. About Maulana Zafar Ali Khan the Ittihad people do not themselves feel sure. However, there is plenty of time yet, and we shall soon see how the electorate generally feels about the Ittihad sending their men to the Assembly.

مسٹر جناح نے سری نگر ہی سے اعلان کیا تھا کہ مسلم لیگ کے مرکزی پارلیمنٹری بورڈ کا پہلا اجلاس ۸ جون کو لاہور میں ہوگا اور اس کے ساتھ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بھی لاہور میں ہوگا اور اس کے ساتھ آل انڈیا

مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بھی لاہور ہی میں منعقد کیا جائے گا۔ خود مسٹر جناح ۶ جون کو کشمیر سے واپس لاہور پہنچنے والے تھے۔ اس دوران میں یہ افواہ بڑے زوروں سے اُڑنے لگی کہ مسٹر جناح کی آمد پر یونینسٹ پارٹی سیاہ جھنڈیوں سے مظاہرہ کرے گی۔ جب اس بات کی تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ اس لیے کہ عین اس وقت جب مسلمان ہند کے نمائندوں کا اجتماع لاہور میں ہونے والا تھا۔ یونینسٹ پارٹی کی اس قبیح حرکت سے اہل لاہور کے دامن پر ایک شرمناک دھبہ لگ جانے کا اندیشہ تھا۔ علامہ مرحوم نے ملک لال دین قیصر سے کہا کہ وہ یونینسٹ پارٹی کے فلاں فلاں ممبر کے پاس جا کر یہ پیغام پہنچا دیں کہ اگر انھوں نے سیاہ جھنڈیوں کا پروگرام ترک نہ کیا تو اس کے نتائج خود یونینسٹ پارٹی کے لیے خطرناک ثابت ہوں گے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس پارٹی کے بعض ہوش مند آدمیوں کو اپنے ذمے داری کا احساس ہوا اور سیاہ جھنڈیوں کا ارادہ فسخ کر دیا گیا۔

اب یہ مسئلہ درپیش تھا کہ ۸ جون کو مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ اور مسلم لیگ کونسل کے اجلاس کس جگہ ہوں گے۔ لاہور میں سخت گرمی پڑ رہی تھی، اس لیے خیال تھا کہ اگر اسلامیہ کالج کے حبیبیہ ہال میں یہ اجلاس منعقد ہو جائیں تو کم سے کم اتنا فائدہ ضرور ہوگا کہ بجلی کے پنکھے مہیا ہو جائیں گے۔ نواب مظفر خان انجمن حمایت اسلام کے عہدہ دار تھے۔ اس کام کے لیے ان کی اجازت درکار تھی۔ علامہ اقبال نے نواب مظفر خاں کے پاس اپنا آدمی بھیجا لیکن انھوں نے حبیبیہ ہال دینے سے انکار کر دیا۔ نواب مظفر خاں یونینسٹ پارٹی کے بہت بڑے رکن تھے۔ اُن سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ مسلم لیگ کو حبیبیہ ہال استعمال کرنے کی اجازت دیں گے۔ مجبوراً یہ اجلاس برکت علی اسلامیہ ہال میں کیے گئے، جہاں مسلم لیگ کا الیکشن مینی فسٹو باضابطہ منظور کیا گیا اور پارلیمنٹری بورڈ کے قواعد و ضوابط مرتب کرنے کے لیے ایک سب کمیٹی بنائی گئی۔ مولانا ظفر علی خاں اور ان کے دونوں ساتھی پارلیمنٹری بورڈ سے مستعفی ہو گئے۔ استعفے کی وجہ مولانا نے یہ بیان کی کہ مجلس اتحاد ملت چونکہ مکمل آزادی کی حامی ہے اور مسلم لیگ کا نصب العین درجہ مستعمرات ہے، اس لیے دونوں جماعتوں میں اشتراک اور تعاون نہیں ہو سکتا۔ انہی دنوں سر فضل حسین نے سر سکندر حیات خاں کو ایک خط لکھا ہے۔

Jinnah's move in establishing a Central Parliamentary Board of the League was a wrong move, detrimental to Indian Muslims' interest. We have taken the right line. He has misrepresented us and Press propaganda in his support is responsible for his utter failure not having been broad-casted. We refused to join him, Ittihad-i-Millat has refused to join him, Ahrar have been negotiating with him, whether they join him or not their position *qua* us remains the same. Miscellaneous urbanites like Iqbal, Shuja, Taj-ud-Din, Barkat Ali have naturally been trying to make some thing out of this.

مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے اجلاس میں مسلم لیگ کا الیکشن مینی فسٹو باضابطہ منظور کیا گیا۔ اسی سلسلے میں

۹ جون کو علامہ اقبال نے ایک دستی خط مسٹر جناح کی خدمت میں بھیجا جو اس وقت پارلیمنٹری بورڈ کے اجلاس کے سلسلے میں لاہور میں تشریف فرما تھے اور ینڈوز ہوٹل میں مقیم تھے۔ علامہ مرحوم نے اپنے خط میں لکھا تھا:

I hope the statement issued by the Board will fully argue the whole scheme and will meet all the objections so far advanced against it. It must frankly state the present position of the Indian Muslims as regards both the Government and the Hindus. It must warn the Muslims of India that unless the present scheme is adopted the Muslims will lose all that they have gained during the last fifteen years and will seriously harm and, in fact, shatte their solidarity with their own hands.

I will feel much obliged if you send the statement to me before it is sent to the Press.

مسلم لیگ کے اس مینی فسٹو میں جن اہم امور پر خصوصیت سے زور دیا گیا تھا وہ یہ تھے۔

(۱) تمام تشدد آمیز قوانین کی تنسیخ۔
(۲) عوام کی بنیادی آزادی میں خلل انداز ہونے اور اقتصادی لوٹ کھسوٹ کرنے والے قوانین کا انسداد۔
(۳) مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے اخراجات میں تخفیف۔
(۴) ہندوستان کی فوج کو قومی فوج بنانا۔
(۵) ہندوستانی صنعت و حرفت کا فروغ۔
(۶) ہندوستان کی اقتصادی خوش حالی کے لیے شرح سکہ اور شرح مبادلہ میں ضروری ترمیم۔
(۷) دیہاتی آبادی کی معاشرتی، تعلیمی اور اقتصادی اصلاح۔
(۸) دیہاتی آبادی کے قرضے میں تخفیف۔
(۹) ابتدائی تعلیم کو مفت اور لازمی قرار دینا۔
(۱۰) ٹیکسوں کے بوجھ کو کم کرنا۔

اسی مینی فسٹو کو دیکھ کر پروفیسر Coupland نے اپنی کتاب India—A Restatement میں لکھا تھا کہ "مسلم لیگ کے الیکشن مینی فسٹو اور کانگرس کے مینی فسٹو میں کسی ضروری اور اہم امر کا اختلاف نہیں تھا۔ مجوزہ فیڈرل حکومت کی سخت مذمت کی گئی تھی اور اگرچہ صوبائی آئین کو بھی قابل اعتراض ٹھہرایا گیا تھا، بایں ہمہ یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ اس آئین سے امکانی حد تک فائدہ اٹھانا چاہیے۔ لیگ کے مینی فسٹو کا اہم ترین جزو وہ ہے جہاں میثاق لکھنؤ کو ہندوستان کی آئینی اور دستوری تاریخ کا سب سے درخشاں باب قرار دیا گیا ہے۔ اس سے صاف عیاں ہوتا

ہے کہ مسٹر جناح مسلم لیگ اور کانگرس کے اس اتحاد کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتے تھے جو ۱۹۱۶ء میں قائم ہوا تھا"۔ یہ پروفیسر Coupland کی رائے ہے۔

سر فضل حسین کے متعلق میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ انھوں نے ۱۹، اپریل ۱۹۳۶ء کو یونینسٹ پارٹی کے دور جدید کا افتتاح کر کے اپنے کام کا آغاز کر دیا تھا۔ لیکن ان کی صحت مدت سے خراب چلی آ رہی تھی۔ وہ کچھ دنوں کے لیے تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے ڈلہوزی تشریف لے گئے اور انتیس جون کو واپس لاہور آئے اور یہاں پہنچنے کے دس روز بعد یعنی ۹ جولائی ۱۹۳۶ء کو ان کا انتقال ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی پنجاب کی سیاست بھی یکسر تبدیل ہو گئی۔

میاں فضل حسین مسلسل سولہ سال پنجاب کی سیاست پر حاوی رہے تھے اور پانچ سال انھوں نے پورے ہندوستان کی سیاست کو اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق چلایا تھا۔ ان کے بڑے بڑے حریف بھی ان کی چال کے سامنے مات کھا جاتے تھے۔ ان کے جسم کو اگرچہ مختلف امراض نے حد درجہ نحیف و نزار بنا رکھا تھا لیکن اس کے باوجود ان کے ذہن و فکر کی جلادت ایک لمحے کے لیے کند نہ ہوئی۔ گاندھی جی نے تار کے ذریعے سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے، لیڈی فضل حسین کو لکھا۔

Pray accept my condolences. I have nothing but pleasant recollections of many happy interviews I had with your distinguished husband.

مسز سروجنی نیڈو بہت بڑی شاعرہ تھیں۔ انھوں نے میاں فضل حسین کے انتقال پر اپنے رنج و غم کا اظہار جس پیرایے میں کیا، اس میں شاعرانہ رنگ غالب تھا۔ فرمایا:

For many years he existed on the frontiers between life and death—a frail and heroic figure with a body that was always full of suffering and a will indomitable in its serenity and strength. He was undoubtedly one of the most brilliant and remarkable men of our time. There was in his life time, as there will continue to be now that be is dead, acute divergence of opinion about him. He evoked the most conflicting emotions in people who came in contact with his subtle, dominating intellect and personality—admiration, fear, dislike, mistrust or affection but there was none who failed to be deeply impressed by his power.

I, with my intimate friendship with him, extending over a period of twenty years, hold that he was a real patriot and a great nationalist, though these qualities manifested themselves in other than the obvious and conventional ways to which wer are accustomed. He loved India and desired to serve her with all his many gifts, but the overwhelming love of his heart was for his own Province. Had he lived a little longer, he would most assuredly have found some masterly solution for the vexed communal conflicts of the Punjab. His death at this critical moment is a calamity. There is no one to replace him.

علامہ اقبال، ملک برکت علی اور میاں عبدالعزیز نے پنجاب مسلم لیگ کی طرف سے جو مشترکہ بیان میاں فضل حسین کی وفات پر اخباروں کو دیا، وہ بھی سن لیجیے۔

The death of Mian Sir Fazal-i-Husain deprives the province of the services of a real patriot. With success crowning him at every step in his career, his association with the public life of the Province was very intimate. He achieved much and it is really nothing short of tragic that just at the very moment when he was planning his future under the reformed constitution, death should have removed him from the sphere of his earthly activities. Despite his illness he attended to his official duties with great application.

We deeply mourn his loss as that of a great political leader, whom nature had endowed with real political sagacity, constructive statesmanship and rich parliamentary gifts. In him the Muslims have lost a sincere friend and a staunch well-wisher.

سر فضل حسین کے انتقال کے وقت سر سکندر حیات خاں Reserve Bank of India میں ڈپٹی گورنر تھے جہاں انہیں ساڑھے پانچ ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ میاں صاحب کی وفات کے بعد یونینسٹ پارٹی نے انہیں اپنا لیڈر منتخب کر لیا۔ اور وہ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۶ء کو بنک کی ملازمت سے مستعفی ہو کر لاہور آ گئے اور یہاں پہنچتے ہی انہیں نواب مظفر خاں کی جگہ پنجاب کا ریونیو ممبر بنا دیا گیا۔ نواب مظفر خاں بیماری کا عذر پیش کر کے چار مہینے کی چھٹی پر چلے گئے اب ایک طرف تو سر سکندر یونینسٹ پارٹی کے لیڈر تھے اور دوسری طرف گورنر کے بعد پنجاب کے سب سے بڑے حاکم بھی وہی تھے۔

اسمبلی کے الیکشن روز بروز قریب آ رہے تھے، اس لیے علامہ اقبال کی ہدایات کے مطابق تین چار مختلف سب کمیٹیاں بنائی گئیں۔ ایک سب کمیٹی کے ذمے یہ کام تھا کہ پنجاب مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کا مینی فیسٹو مرتب کرے۔ دوسری کمیٹی پراپیگنڈے کے لیے قائم کی گئی۔ تیسری فنانس کمیٹی تھی اور چوتھی کا فرض یہ تھا کہ اُس حلف نامے کا مسودہ تیار کرے جس پر اسمبلی کے مسلم لیگی اُمیدواروں کو دستخط ثبت کرنا ہوں گے۔

یوں تو احرار، مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں شامل ہو گئے تھے لیکن انہیں یہ غلط فہمی تھی کہ مسٹر جناح نے بمبئی کے تاجروں اور اودھ کے تعلقہ داروں سے کئی لاکھ روپے جمع کئے ہیں۔ جو آئندہ الیکشن میں لیگی اُمیدواروں کے کام آئیں گے۔ اس مغالطے میں مبتلا ہو کر چودہری افضل حق اور مولانا حبیب الرحمٰن وغیرہ یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اس فنڈ سے کم سے کم ایک لاکھ روپیہ پنجاب کے حصے میں ضرور آئے گا۔ اور تو اور میاں فضل حسین جیسا باخبر آدمی بھی اس غلط فہمی کا شکار تھا۔ چنانچہ جب انہوں نے آغا خاں سے یونینسٹ پارٹی کے لیے مالی امداد طلب کی۔ تو اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ

Jinnah has blundered into the arena very much to our prejudice. His interference and all sorts of silly promises as to large funds being available from Bombay millionaires and from the Maharaja of Mahmud Abad has made our task rathrer difficult.

جہاں تک میری یادداشت کا تعلق ہے مسٹر جناح نے اپنی کسی تقریر یا تحریر میں یہ نہیں کہا تھا کہ ان کے پاس لاکھوں کا سرمایہ موجود ہے۔ لاکھوں کا کیا ذکر ہے، ان کے پاس تو چند ہزار کی رقم بھی نہ تھی۔ انہوں نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے امیدواروں کو اپنے اپنے الیکشن کے مصارف خود برداشت کرنا ہوں گے۔

بہرحال جب احرار کو پتا چلا کہ پارلیمنٹری بورڈ کے پاس کوئی رقم نہیں تو انہوں نے سوچا کہ اگر اپنے اپنے الیکشن پر اپنی ہی جیب سے خرچ کرنا پڑا تو پھر وہ آئندہ انتخاب میں جناح کا توسل کیوں اختیار کریں۔ کیا احرار اتنے گئے گزرے ہیں اور کیا پنجاب میں ان کی اتنی ساکھ بھی باقی نہیں کہ وہ مسلم لیگ کے ٹکٹ کے بغیر الیکشن کی جنگ بھی نہ جیت سکیں گے؟ چنانچہ ان خیالات سے متاثر ہو کر انہوں نے مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ سے استعفےٰ دے دیا اور اس طرح مسلم لیگ اور احرار کا عارضی اتحاد ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا۔ اس حادثے کی تہہ میں کوئی اصولی اختلاف نہ تھا۔ صرف تقسیمِ زر کے بارے میں غلط فہمی تھی۔

جب پنجاب میں انتخابات کی سرگرمیاں شروع ہوئیں تو علامہ اقبال نے محسوس کیا کہ مسٹر جناح کو پھر ایک بار لاہور تشریف لانے کی تکلیف دینا چاہیے تاکہ مسلم لیگ کی انتخابی مہم کا آغاز بھی انہی سے کرایا جائے۔ مسٹر جناح نے بڑی خوشی سے یہ دعوت قبول فرمائی اور ۹ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو لاہور میں رونق افروز ہوئے۔ مسٹر جناح نے اس مرتبہ دو ہفتے لاہور میں قیام فرمایا۔ پھر چند روز کے لیے پشاور بھی تشریف لے گئے۔ ۱۱ اکتوبر کی شام کو دہلی دروازے کے باغ میں مسلم لیگ کا ایک جلسہ عام ہوا۔ علامہ اقبال کا ارادہ تھا کہ اس جلسے کی صدارت فرمائیں گے لیکن اسی شام ان کی طبیعت ناساز ہو گئی، اس لیے پنجاب صوبہ مسلم لیگ کے ڈپٹی پریذیڈنٹ ملک زمان مہدی خاں نے صدارت کی۔ جلسے میں مشکل سے ہزار، ڈیڑھ ہزار کے قریب لوگ آئے تھے۔ مسٹر جناح نے انتخابی مہم کا افتتاح کرتے وقت ایک نہایت زوردار تقریر انگریزی میں کی، جس کا ترجمہ بعد ازاں اردو میں کر کے حاضرین کو سنا دیا گیا ہے۔ پوری تقریر آج بھی میرے پاس موجود ہے، پڑھ لیجیے۔ ایک لفظ بھی اس میں ہندوؤں یا سکھوں یا کانگرس کے خلاف نہیں تھا۔ مسٹر جناح کے تمام حملوں کا ہدف یونینسٹ پارٹی تھی۔ مثلاً ایک جگہ انہوں نے تقریر کے دوران میں فرمایا:

If Sir Sikandar Hayat was so anxious to serve the people of the Punjab on the basis of a non-communal party, may I know what he was doing all these years? Why did he take an appointment in the Reserve Bank? May I know why Nawab Muzaffar Khan has been granted leave and why Sir Sikandar Hayat has been made to slip into that position? All these shuffles that are going on in the Punjab and the members of the so-called Unionist Party, which is composed on the distribution of jobs and which is openly encouraged by the Government of the Punjab, are enough to condemn this COTERIE.

نومبر ۱۹۳۶ء کے شروع میں پنجاب مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ نے اپنے امیدواروں کے ناموں کا اعلان کر دیا ۔ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر صرف سات امیدوار کھڑے ہوئے ۔ ایک ملک برکت علی دوسرے خلیفہ شجاع الدین ، تیسرے ملک زمان مہدی خاں ، چوتھے راجہ غضنفر علی خاں ، پانچویں سردار کریم بخش حیدری ، چھٹے میاں عبدالمجید اور ساتویں مشتاق علی خاں ۔

اس دوران میں ایک روز سردار احمد بخش خاں ہمارے سیکرٹری غلام رسول خاں کے پاس آئے ۔ احمد بخش خاں ، سر سکندر کے بہت قریبی عزیز تھے اور غلام رسول خاں کے بھی پرانے دوست تھے ۔ سردار احمد بخش نے غلام رسول خاں کو سر سکندر کا یہ پیغام دیا کہ اگر مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ ، الیکشن سے دست بردار ہو جائے تو سر سکندر ، مسلم لیگ ، کے دو ممبروں کو بلا مقابلہ پنجاب اسمبلی میں بھجوانے کو تیار ہیں ۔ لیکن شرط یہ تھی کہ ملک برکت علی کو اسمبلی کی کوئی Seat نہیں دی جائے گی ۔ جب غلام رسول خاں نے یہ معاملہ علامہ اقبال کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اُسے بلا تامل رد کر دیا ۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ علامہ مرحوم کو یہ گوارا نہ تھا کہ ملک صاحب سے یوں بے وفائی کی جائے ۔ اور دوسری وجہ انہوں نے یہ بیان فرمائی کہ لیگ کا مقصد محض یہ نہیں کہ اسمبلی کی دو سیٹیں حاصل کر لی جائیں بلکہ اس تحریک کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ عوام میں سیاسی بیداری پیدا کی جائے ۔ اگر ہم نے صرف دو ممبروں کی بھیک مانگ کر اصل تحریک سے چشم پوشی کر لی تو سارا مقصد فوت ہو جائیگا ۔

پنجاب مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے سات اُمیدواروں میں سے صرف دو امیدوار کامیاب ہوئے ۔ ایک ملک برکت علی ، دوسرے راجہ غضنفر علی خاں ۔ راجہ صاحب فوراً بعد مسلم لیگ سے مستعفی ہو کر یونینسٹ پارٹی میں شریک ہو گئے اور اس طرح اسمبلی میں صرف ملک برکت علی مسلم لیگ کی نمائندگی کرنے کے لئے رہ گئے ۔ جب مسٹر جناح کو اس ناکامی کی اطلاع دی گئی تو اُنہوں نے غلام رسول خاں کو بڑا حوصلہ افزا خط لکھا جو سننے کے قابل ہے ۔

Dear Mr. Ghulam Rasul,

I received your letter and many thanks for the very clear account of the situation in the Punjab. I had also received a letter from Sir Muhammad Iqbal, and I have written to him, and a copy of which is enclosed herewith. I admire your very bold and courageous efforts. Never mind if you fail. In our case failure in the Punjab is our success, because you have at least planted the banner of the League, and it does not matter as to the degree of success. No thoughtful man can expect to perform wonders in five months, and our is a stupendous task.

I wish you luck.

Your sincerely,
M. A. JINNAH

اب تمام صوبوں کے الیکشن مکمل ہو چکے تو کانگرس کو ہندوستان کے چھ صوبوں، یو۔پی، سی۔ پی، بہار، بمبئی، مدارس اڑیسہ میں غیر معمولی کامیابی ہوئی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ انکشاف بھی کانگرس کو ہوا کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اسے بالکل کامیابی نہیں ہو سکی۔ ہندوستان بھر کے مسلمانوں کی کل نشستوں کی مجموعی تعداد پانچ سو تھی۔ جن میں سے صرف پچیس نشستوں پر کانگرس قبضہ کر سکی اور ان پچیس میں سے پندرہ نشستیں صوبہ سرحد میں شامل تھیں۔ گویا صوبہ سرحد کو چھوڑ کر باقی پورے برعظیم میں کانگرس کو صرف دس مسلمان اپنے حامی اور مددگار مل سکے۔ مدراس میں چار، بہار میں چار اور پنجاب میں دو مسلمان کانگرس کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے تھے۔ یو۔ پی، سی۔ پی، بنگال، سندھ، اڑیسہ اور آسام میں ایک مسلمان بھی کانگرس کے ٹکٹ پر منتخب نہ ہو سکا۔

یہ کیفیت دیکھ کر پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی تمام توجہ اس کام پر صرف کرنے کا ارادہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو گھیر گھار کر کانگرس میں لایا جائے۔ ۱۹ مارچ ۱۹۳۷ء کو انہوں نے دہلی میں ایک آل انڈیا کنونشن منعقد کی جہاں ہندوستان کی تمام صوبائی اسمبلیوں کے اُن آٹھ سو ممبروں کو مدعو کیا گیا تھا۔ جو کانگرس کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے تھے۔ اس کنونشن میں پنڈت نہرو نے دھڑلے سے اعلان کیا کہ ہم مسلم لیگ کے لیڈروں سے یا مسٹر جناح سے کوئی مفاہمت کرنے کو تیار نہیں۔ بلکہ ہم براہ راست مسلمان عوام کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ کانگرس کے ممبر بن جاؤ۔ چنانچہ اس کنونشن کے ختم ہوتے ہی پنڈت نہرو نے مولانا ابوالکلام آزاد کے مشورے سے کانگرس کے مرکزی دفتر میں ایک الگ محکمہ قائم کر دیا۔ جس کا نام رکھا گیا Muslim Mass Contact اور یہ دعویٰ کیا گیا کہ جناح ایک فرقہ پرست لیڈر ہے اور مسلم لیگ ایک فرقہ پرست جماعت ہے جو مسلمانوں کو گمراہ کر رہی ہے۔ مسلمانوں کے اصلی خیر خواہ تو ہم کانگرس والے ہیں۔

مسلمانوں پر یہ بڑا نازک وقت تھا۔ اقلیت کے صوبوں میں کانگرس کی عظیم الشان کامیابی نے وہاں کے مسلمانوں کو ایک عجیب مخمصے میں ڈال دیا تھا اور جگہ جگہ یہ آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں کہ اب مسلمانوں کی عافیت اسی میں ہے کہ اپنی جداگانہ تنظیموں کو توڑ کر کانگرس میں شامل ہو جائیں۔ پنجاب، بنگال، سندھ اور سرحد اگرچہ مسلمانوں کی اکثریت کے صوبے تھے لیکن یہاں ہر صوبے میں الگ الگ جماعتیں برسر اقتدار تھیں۔ جن کے درمیان کوئی باہمی ربط و ضبط موجود نہیں تھا۔

ان حالات میں علامہ اقبال نے مسٹر جناح کو دو خط لکھے۔ پہلا خط ۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء کا ہے۔ یعنی دہلی کی کنونشن کی کاروائی پڑھتے ہی اُنہوں نے یہ خط لکھا جس میں فرماتے ہیں۔۔

I suppose you have read Pandit Jawaharlal Nehru's address to the All India National Convention and that you fully realise the policy underlying it in so far as Indian Muslims are concerned. I, therefore, suggest that an effective reply should be given to the All India

National Convention. You should immediately hold an All India Muslim Convention in Delhi to which you should invite members of the new Provincial Assemblies as well as other prominent Muslim leaders. To this convention you must re-state as clearly and as strongly as possible the political objective of the Indian Muslims as a distinct political unit in the country. It is absolutely necessary to tell the world, both inside and outside India, that the economic problem is not the only problem in the country. From the Muslim point of view the cultural problem is of much greater consequence to most Indian Muslims.

مسٹر جناح اُس وقت جن مشکلات میں گھرے ہوئے تھے اُن کا صحیح اندازہ آج نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کنونشن منعقد کرنے کی اس تجویز پر فوراً عمل نہ ہو سکا۔ البتہ سات مہینے بعد جب اکتوبر ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں ہوا تو مسٹر جناح نے جو ولولہ انگیز اور بصیرت افروز خطبۂ صدارت اس موقع پر پڑھا تھا، اس میں یہ تمام باتیں، شرح و بسط سے بیان کی گئی تھیں جن کا ذکر علامہ اقبال نے اپنے خط میں کیا ہے۔

لکھنؤ کے اس اجلاس میں سر سکندر حیات خاں بھی شریک ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے وہاں اعلان کیا کہ میں مسلم لیگ میں شامل ہو گیا ہوں اور یونینسٹ پارٹی کے تمام مسلمان ممبر بھی مسلم لیگ کے رکن بن جائیں گے۔ اس پر لوگوں نے بے انتہا مسرت کا اظہار کیا۔ چنانچہ اس موقع پر ایک تحریر بھی لکھی گئی تھی جس نے بعد کو سکندر جناح پیکٹ کا نام اختیار کر لیا تھا۔ یہ پیکٹ تھا یا میثاق تھا یا معاہدہ تھا یا اعلان تھا، کچھ کہہ لیجیے، لیکن آگے چل کر اس تحریر کے جو نتائج پیدا ہوئے اُنہوں نے صرف پنجاب کو متاثر نہیں کیا بلکہ پورے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ تحریر انگریزی میں لکھی گئی تھی، اُس کا متن سن لیجیے۔

(*a*) That on his return to the Punjab, Sir Sikandar Hayat Khan will convene a special meeting of his party and advise all members of the party who are not members of the Muslim League already to sign its creed and join it. As such, they will be subject to the rules and regulations of the Central and Provincial Boards of the All India Muslim League. This will not affect the continuance of the present coalition of the Unionist Party.

(*b*) That in future elections and bye-elections for the Legislature after the adoption of this arrangement, the grouups constituting the present Unionist Party will jointly support candidates put up by their respective groups.

(*c*) That the Muslim Members of the Legislatur, who are elected on or accept the League Ticket, will constitute the Muslim Legague Party within the Legislature. It shall be open to the Muslim League Party so formed to maintain or enter into

a coalition or alliance with any other party consistently with the fundamental principles of the policy and programme of the League. 'Such alliances may be evolved before or after the elections. The existing combination shall maintain its present name the "Unionist Party"

(*d*) In view of the aforesaid arrangement, the Provincial League Parliamentary Board shall be re-constituted.

یہ تھا سکندر جناح پیکٹ، جس نے ہماری قومی تحریک میں کچھ ایسی بنیادی تبدیلیاں پیدا کر دیں جن کا آج لوگوں کو احساس بھی نہیں اور علم بھی نہیں۔ کم سے کم میری رائے یہی ہے کہ یہ پیکٹ حال اور مستقبل کے مورخ کے لیے ہمیشہ ایک ایسا موضوع بنا رہے گا جس پر مخالفت اور موافقت کے رنگ میں بہت کچھ لکھا جائے گا۔ اور یقیناً بہت کچھ لکھا جانا چاہیئے۔ سر سکندر حیات خاں نے اپنی زندگی میں اس پیکٹ پر کیوں عمل نہ کیا؟ اُن کی اس کوتاہی پر کیوں اُن سے باز پرس نہ کی گئی؟ یونینسٹ پارٹی کے اُن ممبروں نے جو اپنے آپ کو مسلم لیگ کے بڑے حامی کہتے تھے، کیوں اپنے لیڈر کے اس طرز عمل کے خلاف احتجاج نہ کیا؟

سر سکندر کے انتقال کے بعد یہی پیکٹ اُن کے جانشین کے لیے پھانسی کا پھندا کیوں کر بنا؟ یہ موضوع بھی تحقیق اور تفتیش کرنے والے طالب علم کے لیے اپنے اندر بڑی دلچسپی رکھتا ہے۔ جب ملک خضر حیات خاں ٹوانہ سے اپریل ۱۹۴۴ء میں اسی پیکٹ کی بنا پر مسلم لیگ کا جھگڑا ہوا تھا تو ملک صاحب نے اپنی صفائی میں ایک دلیل یہ بھی دی تھی کہ وہ اس پیکٹ کو فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے مسلمان جج کے سامنے پیش کرنے کو تیار ہیں اور جو فیصلہ وہ جج کرے گا۔ انہیں منظور ہوگا۔ لیکن مسلم لیگ نے ملک صاحب کا یہ مطالبہ بھی رد کر دیا تھا۔

اس پیکٹ کے بارے میں علامہ اقبال کے تاثرات کیا تھے؟ کیا اُنہوں نے اسے بطیب خاطر قبول کیا تھا یا بدرجہ مجبوری؟ میں اس پر انشاء اللہ کل شام کو اپنی تقریر میں کچھ عرض کر دوں گا۔